حمید اللہ
اسکالر پی ایچ۔ ڈی اردو، جامعہ پشاور، پشاور
پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین
صدر شعبہ اردو، جامعہ پشاور، پشاور

عبداللہ حسین کے ناول "قید" کا تجزیاتی مطالعہ

Hameed ullah
Scholar PhD Urdu, Univeristy of Peshawer, Peshawar.
Prof.Dr.Robina Shaheen
Head Department of Urdu, University of Peshawar Peshawar.

Analytical Study of "Qaid" A Novel by Abdullah Hsusain

Abdullah Hussain (1931-2015) is considered as one of the prominent Urdu novelists of the20thcentury. His first novel "UdasNaslain" (1963) received by critics and readers as the most awaited creative expression of Urdu language in the genre of Novel. With this huge reception, Abdullah Hussain contributed in by writing all kinds of novel and short stories for the rest ofhis life. This proposed article is focused on the two aspects of Abdullah hussain's novel "Qaid", i.e one is the social and religious imprisonment of people in the mechanized system and patterns of monasteries ,in whose followers not only the illiterate but also the highly educated people are included .These so.-called religious peer exploit people only for increasing their wealth and property in one way or the other. Secondly in this proposed article, not only the exploitation of people by the feudalistic system is being criticized but also theoverall political, bureaucrate and social system of Pakistan. This also focused on those complicated issues which are created due to love in an exemplary manner. All the characteristics of a good novel are present in the best possible manner.

Key Words: *Urdu Literature; Urdu Novel; Pakstani Novelists; Fiction in South-Asia, Religion and Literatur, Sexuality and literature, Superstitious and literature.*

اُردو ناول کی عمر تقریباً ایک سو پچاس برس ہو چکی ہے۔ناول کے اس طویل سفر کا آغاز ڈپٹی نذیر احمد سے ہوتا ہے، جھنوں نے مذہبی اور سماجی اصلاح کے حوالے اس صنف کو بطور ٹول استعمال کیا۔ڈپٹی نذیر احمد کے بعد سرشار نے اس صنف میں طبع آزمائی کی اور اردو ادب کو "فسانہ آزاد" جیسے سماجی ناول سے روشناس کروایا۔اس کے بعد عبدالحلیم شرر نے

اس روایت کو آگے بڑھایا جو ناول کے فن کے تمام تر اسرار ورموز سے بخوبی واقف تھے۔ موضوعاتی حوالے سے ناول میں اہم موڑ مرزا ہادی رسوا کے ناول "امراو جان ادا" سے آیا۔ جنھوں نے طوائف کو موضوع بنا کر نفسیات کو ناول میں شامل کیا۔ اس کے بعد راشد الخیری نے خواتین پر ڈھائے جانے والے خانگی مظالم پر قلم اٹھایا اور یوں ناول پریم چند اور اُن کے عہد کو پہنچ گیا جنھوں نے نو آبادیاتی نظام میں غریبوں پر ڈھائے گئے مظالم کے خلاف، انسان دوستی اور حقیقت پسندی پر مبنی ناول لکھے۔ ان کے بعد عزیز احمد، عصمت چغتائی، کرشن چندر، ڈاکٹر احسن فاروقی، قرۃ العین حیدر، خدیجہ مستور، جمیلہ ہاشمی، وغیرہ نے اردو ناول کی روایت کو بطریق احسن آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اردو ناول کی تاریخ میں ایک نمایاں اور منفرد نام عبداللہ حسین کا بھی ہے۔ جو عہد ساز ادیب وناول نگار تھے، انھوں نے معیاری اسلوب کے ساتھ عالمی معیار کے ناول تخلیق کیے، اور ادب کے میدان میں ایک بلند مقام حاصل کیا۔ وہ ایک منفرد اسلوب کے حامل ناول نگار تھے۔ آج کی دنیا کے اہم ترین مسائل ان کے ناولوں کے موضوعات ہیں جن میں خصوصیت سے برصغیر کے عوام کی صورتحال کو ترجیح دیا گیا ہے۔ ذیل میں ان کے ناول "قید" کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔

"قید" عبداللہ حسین کا ۱۹۸۸ میں منصہ الشہود پر آنے والا ناول ہے، جس میں "قید" جو ناول کا عنوان بھی ہے ایک استعارہ ہے جس کی کئی صورتیں ہیں۔ ازل سے بنی آدم کو رب کائنات نے جہاں چند اختیارات سے نوازا ہے تو بعض جگہوں پر مجبور محض اور مقید بھی ٹھہرایا ہے۔ ناول میں ان مجبوریوں اور قیود کا موضوع بنایا گیا ہے جو جنس پرستی، پیر پرستی، عشق وعاشقی، معاشرتی قدغنوں، سیاسی اور سماجی مجبوریوں کی شکل میں فرد کو مقید رکھتے ہیں۔

محققین کی نظر میں "قید" کی کہانی حقیقت پر مبنی، سچی کہانی ہے، جس کی جائے وقوع ریاست پاکستان سمجھی جاتی ہے۔ عبداللہ حسین نے ایک ناول نگار کی حیثیت سے اسے ادبی رنگ دے کر ناول کا روپ عطا کیا۔ یہ واقعہ ضیاء کے دور میں کراچی میں وقوع پزیر ہوا۔ اس حوالے سے رابعہ سرفراز لکھتی ہیں:

> "یہ ناول پاکستان میں ہوئے ایک سچے واقعہ پر مبنی ہے جنرل ضیاءالحق کے دور میں ایک نوزائیدہ ناجائز بچے کو ایک گاوں کے نمازیوں نے سنگسار کر کے مار دیا تھا"۔(۱)

اس حوالے سے عبداللہ حسین خود لکھتے ہیں:

> " یہ واقعہ کراچی میں رونما ہوا۔ یہ ایک مقامی اخبار میں چھپا اور پھر اسے عوامی فساد اور جھگڑوں کے خوف سے دبا دیا گیا۔۔۔ مجھے اس واقعے سے دھچکا لگا تھا۔ مجھے اس بات کو طے کرنے میں پانچ سال لگ گئے کہ اس کہانی کو کس طرح اپروچ کرنا ہے۔ ان پانچ سالوں میں بہت سی صورتیں میرے ذہن میں آئیں جن میں سے کوئی بھی اطمینان بخش نہ تھی۔ اور پھر ایک دن اچانک میں نے یہ جانا کہ یہ کیسے کرنا چاہیے۔"(۲)

قید میں پہلی بار عبداللہ حسین نے ہمارے سماجی اور اخلاقی نظام پر سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ناول کی کہانی انسانی محرومیوں اور تشنہ کامیوں، اور اقتدار کی ہوس میں کی جانے والی خطرناک سرگرمیوں کے گرد گھومتی ہے۔ قدامت پرستی

اور روشن خیالی کی باہمی کشمکش کہانی کا اہم حصہ ہے جس میں جیت قدامت پرستی کو ہوتی ہے۔"قید" ایک قسم سے ہمارے معاشرہ کا آئینہ ہے، جس میں ہر انسان کو کسی نہ کسی حوالے اپنا داغدار چہرا دکھائی دیتا ہے۔ ہمارا معاشرہ جو کثیر الجہت مسائل سے عبارت ہے اس کی سطح پر جو تضادات دکھائی دیتے ہیں۔ وہ تو اپنی جگہ، اس کی تہہ میں بھی متصادم رجحانات و تصورات ہیں، ان کی جڑیں صدیوں کی روایات میں پیوست ہیں اور ان کا تعلق بیشتر ضعیف العتقادی سے ہے۔ کیا ضعیف العتقادی محض ایمان کا ضعف ہے؟ یا جہالت کی انتہا؟ یا یہ فطرت اور نامساعد اور خراب حالات سے نبرد آزمائی اور جنگ آزمائی کا آخری ہتھیار ہے۔ جو بھی ہو یہ عوام کی وہ قوت ہے جس کے سہارے وہ جیتے ہیں۔ ناامیدی کے مقابلے میں ضعیف العتقادی امید کی کرن اور تیز دریا میں ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا معلوم ہوتا ہے۔ عوام کی اس کمزوری سے نام نہاد پیروں کا کاروبار چلتا رہتا ہے اور عوام کی اس ضعیف العتقادی سے فائدہ اُٹھا کر مال و دولت بٹورتا ہے۔ دکھ تو اس بات کا ہے، کہ ان کے مریدوں میں نہ صرف سادہ لوح اور ان پڑھ عوام شامل ہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ملازمت پیشہ لوگ بھی ان کے آگے زانوئے تلمذ کر جاتے ہیں۔"قید" میں مذکورہ 'جعلی پیر' پیر کرامت علی کے بارے میں عبد اللہ حسین لکھتے ہیں:

"پیر کرامت علی کے حلقہ ادارت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہونے لگی اب اس نے پھونک، دم اور عمل کے علاوہ مستقل اور متواتر اولاد کی خاطر استخارے شروع کر دیے۔۔۔۔۔۔ دور دور کے شہروں لوگ، خاص طور پر عورتیں، پڑھی لکھی اور فیشن ایبل عورتیں اولاد کی خواہش لے کر آنے لگیں۔۔۔ صدر مملکت پیر پرست جرنیل تھے۔ اُن کی دیکھا دیکھی فوج کے سینیئر افسران نے بھی مُرشد پکڑنے شروع کر دیئے۔"(۳)

کرامت علی کا کردار پہلے سیاست میں طالع آزمائی کرتا ہے جب فیروز شاہ کی موجودگی میں ان کی بات نہیں بن پاتی تو وہ آفسر شاہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن جب وہاں کوئی بڑا آفسر نہیں بن پاتا تو پیری مریدی کی طرف ملتفت ہو جاتا ہے۔ ناول کا کردار "پیر کرامت علی" صحیح معنوں میں خانقاہی نظام کا استعارہ بن کر سامنے آتا ہے جسے اس کے باپ نے اس انداز سے تربیت دی ہے کہ جو اپنی زندگی میں نہیں کر پایا اب وہ اس کا بیٹا کر دکھائے گا۔ تمام ناآسودہ خواہشات کی تکمیل کا استعارہ، جنسی کشش کا استعارہ، مذہبی استحصال کا استعارہ، اور سیاسی قوت کا استعارہ سلامت علی کا کردار ہے، جو سر پر خانقاہی کا تاج پہن کر خود کو عہد وسطی کا بادشاہ سمجھتا ہے۔

ناول میں جس طرح یہ جعلی پیر عوام کو اپنے قید میں رکھتے ہیں جھوٹی پرہیز گاری اور تقوی کو بنیاد بنا کر غربت کے مارے ہوئے عوام کا بے دردی سے استحصال کرتے ہیں۔ اس حوالے سے عبد العزیز ملک لکھتے ہیں:

"ناول قید استحصال کی قید کا استعارہ بن کر بھی سامنے آتا ہے۔ جاگیر دار اور سرمایہ دار عوام کو اپنی قید میں رکھ کر ان کا بے جا استحصال کرتی ہیں۔ جاگیر دار اور وڈیرے جس طرح چاہیں اور جب چاہیں مجبور اور غریب عوام کی قسمت کے فیصلے کرتے رہتے ہیں۔"(۴)

"قید" کا بہاؤ عصریت میں مضمر ہے۔ملک عزیز کی دیہی زندگی کے پس منظر میں خانقاہیت اور اس سے پیدا ہونے والی گھمبیر صورت حال، یہاں مذہب کے پر تقدس اور خوشنما پردے میں مکروفریب، ریاکاری، جھوٹ اور ظلم واستحصال کا پُر تعفن ڈرامار چایا جاتا ہے غربت کے مارے ہوئے توہم پرست دیہاتیوں کی اذیت زدہ اور درد زدہ زندگی پیروں اور مولویوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔یہ سارے وہ لوگ ہیں جو خدا کی زمین پر انصاف اور خوشحالی سے محروم ہیں۔ یہ پیر اور ان کے ادارے یعنی خانقاہیں لاعلاج امراض اور مایوس العلاج مریضوں کی آخری امید ہیں، جہاں دیہاتوں کی سادہ لوح مائیں اپنے بیمار اور لاغر بچوں کو اُٹھائے لاتی ہیں۔اولاد سے محروم عورتیں اولاد کی تمنا کے لیے۔عاشق محبوب کی جستجو میں، کوئی مقدمہ جیتنے کے لئے اور کوئی دشمن کو تباہ کرنے کے لیے، ان اداروں کا رخ کرتے ہیں۔پیر کے دامن کو امید کا دامن سمجھ کر تھام لیتے ہیں اور ان جعلی پیروں کے ہلنے والی ہونٹ اور ان کے عیار ہاتھوں کی جنبش سے ان کے تاریک زندگی میں اجالے اور روشنی کی کرن پھوٹتی ہے ان کی امیدیں بر آتی ہیں۔ایسے پیر بغیر کسی اشتہار خلق خدا کی توجہ کے مرکز بن جاتے ہیں۔لوگ ان کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور مایوسی سے نجات پاکر خوشی سے سرفراز ہو کر لوٹتے ہیں۔نہ صرف غریبوں اور مظلوموں کو بلکہ دولت مند اور تعلیم یافتہ مرد اور عورتیں بھی مکروفریب کے اس دربار سے احتراماً الٹے قدموں لوٹتے ہیں۔

توہم پرستی اور جہالت میں ہم صدیوں سے گھرے ہوئے ہیں۔اسلام کی سچی اور حقیقی تعلیمات سے عدم واقفیت ہی ایسے معاشرے کی تشکیل کرتی ہے جو بالاخر پیروں اور تنگ نظر مولویوں کی جنت بن جاتا ہے۔ایسے معاشرے میں عقل سے کوری مذہبیت ناجائز نومولود بچوں کو سنگسار کرادیتی ہے۔عبداللہ حسین نے ان معاشرتی کج رویوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے انسانی وجود کی معنویت اور حقیقت کو بھی آشکارا کرنے کی جسارت کی ہے کہ وہ کس طرح اور کیوں کر ایک کٹھ پتلی کی طرح مختلف کرداروں کے اشاروں پر ناچتا ہے اور ان کے سامنے سر جھکاتا ہے۔

ناول کا ایک بنیادی حوالہ سیاست بنتا ہے، جو مارشل لاء حکومت کے دور کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔قیام پاکستان کے زمانے کے واقعات، پاکستان بننے سے پہلے کے واقعات اور بننے کے بعد کے زمانے کے واقعات سے پورا ایک سیاسی منظر نامہ اُجاگر ہوتا ہے۔ناول میں قاری کو اس نسل سے متعارف کیا جاتا ہے جو قیام پاکستان کے لیے جدوجہد کرتی رہی اور ایک آزاد ملک کے حصول والے خواب کی تعبیر کے لیے سروں کے نذرانے پیش کرتی رہی۔پھر نئے ملک کے وجود میں آنے کے بعد لوگوں کو جن استحصالی نظام اور مخصوص طبقے سے نبرد آزما ہونا پڑا ناول میں مفصل انداز میں زیر بحث ہے۔

سیاسی حالات وواقعات کے ساتھ ناول میں "جنس" کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ناول کے زیادہ تر واقعات اور کردار جنس زدہ اور جنسی بے راہ روی کے شکار نظر آتے ہیں۔جیسے ناول کا نسوانی کردار مائی سروری جو اپنے زمانے کی حسین ترین عورت تھی اور عشق کی سوگواری میں رل گئی تھی، یا جیسے رضیہ سلطانہ جس کے بقول اس کا عورت ہونا ہی اس کی قید تھی۔اسی طرح سلامت علی کو اپنے باپ سے رضیہ کی حکایت سننے کے بعد بچپن سے لے کر جوانی تک کے تمام شہوانی تجربے یاد آنا۔جنسی حوالے سے تو ناول میں کئی واقعات موجود ہے۔جن کی بنیاد پر بعض نقادوں نے عبداللہ حسین پر فحش نگاری کے

الزمامات بھی لگائے ہیں۔ تاہم راقم الحروف کی نظر میں ان کی تحریریں فحاشی کے ذیل میں نہیں آتیں، کیوں کہ اُن کے ہاں جنسی عوامل کے دوران قاری حظ نہیں عبرت حاصل کرتا ہے۔ معاشرتی ناسور پر تھوکتا ہے۔ انسان کی جنسی درندگی پہ روتا ہے۔ یہاں پر صرف ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"میں نے دکان میں داخل ہوتے ہی دوسرا پٹ بھی بند کر دیا اُف میں بولی، کیسی غضب کی گرمی پڑ رہی ہے اور چادر اتار کر الگ رکھ دی۔ علی محمد نے جو باریک چولے کے اندر میرا بدن دیکھا تو اس کی آنکھیں پٹ گئیں۔۔۔۔۔۔ اس کی نظریں بار بار میرے بدن سے اُچک کر دروازے کی جانب جاتی تھیں اور پھر واپس میرے اوپر مرکوز ہو جاتی تھی۔ میں کچھ اور آگے جھک کر بیٹھ گئی جس سے میرے چولے کا گلا ڈھلک آیا۔ علی محمد کی نظریں اب چولے کے اندر سے سیدھا ہی میری چھاتیوں پر پڑ رہی تھی۔ وہ ایسے انداز سے بیٹھا تھا کہ اس کی دھوتی ایک جگہ سے الٹ گئی تھی جہاں سے میں اس کی ران کے تنے ہوئے پٹھوں کو دیکھ سکتی تھی۔ علی محمد کو اپنی کچھ خبر نہ تھی۔ وہ مجھے چھیڑرے دکھانے بھی بھول چکا تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر وہ ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ وقت نکلتا جا رہا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ ابھی ظہر کی آذان ہو گی اور پھر لوگوں کی چہل پہل شروع ہو جائے گی۔ میں مزید وقت نہضائع نہ کرنا چاہتی تھی۔ اسی وقت وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ عظیم الجثہ آدمی مجھے ایک ایسے انجن کی مانند لگا شنت کرتا ہوا میرے سر پہ چڑھ آیا تھا۔ نظر بچا کر میں نے ڈھب سے چاقوں نکالا اور تیزی سے اس کے پیٹ میں گھونپ دیا"۔ (۵)

اگر ناول کے فنی حوالے سے بات کی جائے تو عبداللہ حسین ایسے کہانی کار تھے جن کو ادب کی لغت میں ناول نگار کہا جاتا ہے ان کے ناول کائناتی وسعتوں اور تہذیبی گہرایوں سے گزرتے ہوئے ان کی ذات تک سفر کرتے ہیں اور وہ ساری کہانی کو نتیجہ کر دیتے ہیں۔ ناول کا پلاٹ بھی نہایت مربوط و منظم ہے۔ پلاٹ کا ایک نمایاں وصف اس کا ایک حد تک ڈرامائی ہونا ہے۔ اس کی تشکیل واقعات اور کرداروں کی باہمی کشمکش سے ہوتی ہے اور پلاٹ کی تبدیلی کے لئے ایسے اسباب پیدا کئے گئے ہیں جو کرداروں کی سیرت و مزاج کے عین مطابق ہے۔ پلاٹ کی ایک قابل ذکر خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں واقعات کے انتخاب اور ان واقعات کے بیان میں خوشگوار توازن پایا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس واقعے کی تفصیل جتنی دینی چاہئے تھی، اُتنی ہی دی گئ ہے۔

ناول "قید" میں کردار نگاری کے اعتبار سے سقم پایا جاتا ہے۔ ناول کا مرکزی قصہ تین اہم کرداروں کے درمیان گھومتا ہے، ناول کا بنیادی کردار کرامت علی، اس کا دوست فیروز شاہ اور ان کی مشترکہ دوست رضیہ سلطانہ، ناول کے تین ایم ستون ہیں۔ ناول کا مرکزی کردار کرامت علی ہے اس کردار کے ارتقاء کا مطالعہ قابل غور ہے۔ تحریک آزادی کے ایک مخلص اور جانثار کارکن سے لے کر پیر بننے تک یہ کردار جن ذہنی اور نفسیاتی تبدیلیوں سے دوچار ہوا ہے۔ اس کا بے لاگ تجزیہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کردار میں کئ جھول ہے۔ اس کردار کے اندر چند بنیادی تضادات ایسے ہیں جو ناول کے

تھیسس کی نفی کرتے ہیں۔ناول نگار نے کرامت علی کے بچپن سے جوانی تک کے کردار کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں وہ حساس، نیک اطوار اور اچھے چال چلن کا شخص ہے۔ناول نگار نے کرامت علی کی شخصیت کا قلبی ماہیت جس طرح ہوتے ہوئے دکھایا ہے اس پر کئی اعتراضات ذہن میں ابھرتے ہیں۔پہلا اعتراض تو یہ کہ ناول نگار نے کرامت علی کے کردار کی بنیادی ساخت کی تبدیلی اور تبدیلی کے عمل کے دوران اندرونی نفسیاتی کشمکش کو کہیں پر ظاہر نہیں کیا ہے۔اس کے علاوہ بنیادی اعتراض یہ ہے کہ کرامت علی کے کردار میں بنیادی تبدیلی کا سبب خارجی دباو کو ٹھہرایا گیا۔یعنی کرامت علی خود تو ایک گوشہ نشین اور عبادت گزار خدا کا بندہ تھا جسے خلق خدا نے اپنی توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے اپنا ملجا وماویٰ بنالیا۔گویاناول نگار نے کرامت علی کے کردار کی قلب ماہیت میں اسے انفرادی ذمے داری سے قطعی طور پر بری کر دیا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خارجی دباو اتنا شدید ہے کہ کرامت علی جیسا نیک طینیت آدمی شریفانہ طور طریقے چھوڑ کر خباثت اور شیطانیت پر اتر آئے تو بعد کی صورتحال کی ذمہ داری ضعیف الاعتقاد لوگوں پر عائد ہوتی ہے نہ کہ خود کرامت علی پر،اور پھر ایسی صورت میں اس کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے کہ ناول کے بقعیہ حصے میں اس کے استحصالی کردار کی نقاب کشی نفرت اور حقارت سے کی جائے،اس لئے کہ یہ لوگ ہی ہیں جو اپنی حاجت کے لیے روپیہ پیسہ اناج اور نذرونیاز لے کر اس کی خانقاہ میں جاتے ہیں۔ پھر تو ناول نگار کا زاویہ نگاہ کرامت علی کے بجائے آنے والوں کی توہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی پر مرکوز ہونا چاہیے تھا، کیونکہ لوگوں کے دکھ اُن کے اپنے پیدا کردہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کرامت علی کا کردار ایک جھوٹا کردار ہے۔عام مشاہدہ بھی یہی ہے کہ جعلی پیر ہمارے معاشرے میں باقاعدہ ایک ادارے کی صورت رکھتے ہیں۔ان کے اپنے گروہ ہوتے ہیں جو منصوبہ بندی کے ساتھ معصوم اور بھولے بھالے لوگوں کو پھانستے ہیں اور اس کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کرتے ہیں۔ وہ اپنے جعلسازیوں سے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں اور پیسے بٹورتے ہیں اکثر صورتوں میں وہ بھانڈا پھوٹ جانے کے خوف سے کسی ایک جگہ قیام بھی نہیں کرتے اور دیہاتوں ، قصبوں اور چھوٹے شہروں میں گھومتے رہتے ہیں کبھی کبھار پکڑے بھی جاتے میں مار کھاتے ہیں اور حوالات میں بھی بند کر دیے جاتے ہیں۔یہ واقعہ کرامت علی دس پندرہ برس تک نہ صرف دیہاتیوں بلکہ تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی بیوقوف بناتا رہا۔لہٰذا اس ناول کی تعمیر میں ناول نگار کے براہ راست تجربے یامشاہدے کا دخل کم ہی رہا ہے انھوں نے اس ضمن میں ٹھوس معلومات کی طرف بھی توجہ نہیں دی۔

ناول کا دوسرا اہم کردار فیروز شاہ ہے جس کی شخصیت اور کردار کے آئینے میں کرامت علی خود کو دیکھتا اور پہچانتا ہے۔فیروز شاہ کی موجودگی میں کرامت علی کی شخصیت دبی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کی وفات کے بعد ہونے والے حادثے نے اس کی زندگی کو یکسر تبدیل کر رکھ دی۔فیروز شاہ کی حب الوطنی اور سیاسی خدمات کا ذکر تو کیا گیا ہے مگر اس حوالے سے کوئی قابل ذکر واقعہ موجود نہیں ہے۔ اس کے کردار کی اہمیت کرامت علی کے ایک طرح کے احساس کمتری اور رضیہ سلطانہ سے اس کے عشق کی وجہ سے ہے جس نے آگے چل کر کہانی میں کئی اہم موڑ دیے۔

رضیہ سلطانہ قید کا ایک اور کردار ہے۔ جس میں بڑی توانائی پائی جاتی ہے۔رضیہ سلطانہ ناول کے ہیروئن ہے جو اپنی دل کش شخصیت اور متحرک کردار کی بناء پر ابتداء ہی سے قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی ہے۔رضیہ سلطانہ

شریف دیندار گھرانے کی لڑکی ہے اس کا باپ عالم ہے۔ صفدر شاہ کی محبت اور جسمانی رفاقت کے باوجود وہ طبعا اوباش نہیں ہے۔ جیل کی کال کوٹھری میں جس صبح اسے پھانسی دی جانے والی ہے۔ اس رات وہ تینوں قتل کا احوال بیان کرتی ہے۔ لیکن اس تفصیلات کے بیان میں وہ جنسی مناظر کی عکاسی لفظوں کے ذریعے جس بے شرمی اور چابکدستی سے کرتی ہے وہ رضیہ سلطانہ سے زیادہ عبداللہ حسین کا اعتراف نامہ محسوس ہوتا ہے۔ رضیہ سلطانہ احمد شاہ سے جتنی شدید نفرت کرتی ہے اس پس منظر میں یہ ملتجیانہ لب ولہجہ اور قتل کے واقعات کاسنانے پر اصرار اور پھر جنسی بیان کے چٹخارے ناول کے اس حصے کو فنی طور پر کمزور مضحکہ خیز اور غیر ضروری بنادیتی ہے۔ اس طرح رضیہ سلطانہ کماد کے کھیتوں میں چھپ کر اپنے نوزائیدہ بچے کو دیکھ رہی ہے جو مسجد میں سیڑھیوں پر پڑا ہے۔ پیش امام کے اشارے پر سنگ باری شروع ہوتی ہے۔ ایک ماں کے سامنے اسی کی نوزائیدہ بچے کو سنگسار کیا جارہا ہو۔ اس کی چیخیں بلند ہورہی ہوں اور بجائے اس اس کے کہ ماں جسم میں بجلی کی سی تیزی اور طاقت پیدا ہو اور وہ بچے کو بچانے کے لیے آگے بڑھے اس کی ٹانگیں جواب دے جاتی ہیں۔ ٹانگوں کا جواب دے جانا حوصلے کی پستی کی علامت ہے۔ حیرت ہے کہ ناول نگار ماں کی فطرت اور عورت کی نفسیات سے اس درجہ ناواقف ہے۔ حالانکہ یہ تو بڑی سادہ اور عام سی بات ہے کہ چرند پرند اور حیوان تک اپنی نسل کی بقا و حفاظت کے لیے اپنے سے قوی درندوں تک کا مقابلہ کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی فہم سے بالاتر ہے کہ نوزائیدہ بچے پر سنگ باری کے وقت رضیہ سلطانہ ہوش وحواس میں تھی اور ساری آوازیں سن رہی تھی۔ اور سارے منظر صاف طریقے سے دیکھ رہی تھی تو ممتا کی فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ ساری قوت مجتمع کر کے اپنے بچے کو بچانے کے لیے چیختی ہوئی باہر نکلتی اور اس طرح بھاگتی لیکن ناول میں جو کچھ دکھایا گیا ہے وہ کہانی کو آگے بڑھانے کا تقاضا ہو تو ہو ممتا کی فطرت کی بہر حال بڑی ناپختہ عکاسی ہے۔

ناول کی مکالمہ نگاری بلاشبہ ناول کی حسن خوبی گردانی جاسکتی ہے لیکن کبھی کبھی ان سے مصنوعی پن جھلکتا ہے اور بعض جگہوں پر مکالمہ ایک مختصر تقریر بن کر رہ گیا ہے لیکن فنی اصولوں کے عین مطابق ہیں۔ عبداللہ حسین کو زبان و بیان پر جو بے پناہ قدرت حاصل تھی، اس کا اظہار ان کے مکالموں میں بخوبی ہوتا ہے۔ وہ جب عورتوں کے مکالمے لکھتے ہیں تو آمد اور فطری فن کی انتہا کر دیتے ہیں۔ اُن کے کردار جس طبقے سے ہیں وہ اسی کی زبان میں مکالمے لکھتے ہیں۔ ان کے مکالموں میں جب غم و غصہ، نفرت و حقارت یا جوش، انتقام کا موقع آئے تو ان کی مکالمہ نگاری کے جوہر پوری طرح کھلتے ہیں۔ ان کا ہر کردار اپنے منصب و مرتبے کے مطابق زبان بولتے ہیں۔

"قید" میں خوبصورت جزئیات نگاری کی گئی ہے، جو ناول نگار کے گہرے مشاہدے اور وسیع مطالعے کے ساتھ ساتھ مضبوط تخیل پر دال ہے۔ عبداللہ حسین کو جزئیات نگاری پر کرشماتی قدرت حاصل تھی۔ ناول کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ناول نگار نے پلاٹ ترتیب دیتے وقت کہانی کا کینوس پھیلاتے ہوئے جزئیات کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا بلکہ ان کو بھی اپنے مشاہدے کی بناء پر اس انداز میں چھوٹی سے چھوٹی بات کو پیش کیا ہے کہ قارئین کے سامنے تصویر کھینچ جاتی ہے۔ درگاہی اور خانقاہی ماحول کے متوازی، جرم و سزا کی دنیا کی تصویر کشی نے ناول میں تجسس پیدا کر دیا ہے اور مجموعی طور پر یہ تجسس ہے جو

اس ناول کا بنیادی حربہ ہے جو اسے آگے بڑھاتا اور قاری کے لیے دلچسپی کا سامان پیدا کرتا ہے۔ "شاہ جی" "مائی سروری" اور "سائیں تانگے" کی صورت حال تجسس پیدا کرتی ہے جو لحہ بہ لحہ بڑھتا جاتا ہے۔

اس ناول کی ایک خوبی اس کا اسلوب ہے، کہانی یا ماجرا بڑے سیدھے انداز سے شروع ہوتا ہے اور پلاٹ بنتا چلا جاتا ہے۔ حقیقی واقعات اس پلاٹ میں اس طرح گھٹے ہوئے ہیں کہ کہیں پر بھی سکتہ نہیں آتا۔ اردو فکشن میں بالعموم جو نثر لکھی جاتی ہے اس میں شاعری کے اوزار استعمال کیے جاتے ہیں۔ یعنی ایک ایسی نثر جس میں تخیل کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ 'قید' کی نثر اس علت سے پاک ہے۔ 'اداس نسلیں' سے 'قید' تک پہنچتے پہنچتے عبد اللہ حسین کی نثر زمانے کے سرد و گرم کا مزہ چکھنے کے بعد پختہ عمری کے اس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جس کی بنا پر انھیں صاحب طرز اسلوب کے مالک کہا جا سکتا ہے۔ فکر و فن کے اس تجزیے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ عبد اللہ حسین نے اپنے عہد کے موضوعات کو اپنے نظریات کی بھٹی سے گزارا اور فنی لحاظ سے شدید تپیا سے اُنھیں ایسی تخلیقات کی صورت دی جو انھیں اردو فکشن میں ممتاز مقام کا حامل بناتی ہے۔ اُن کا اسلوب اُن کی ہر سطر سے واضح ہے، جب کہ اُن کے موضوعات اردو کے ناول نگاروں بالخصوص ترقی پسند ناول نگاروں سے مشترک ہونے کے باوجود اُن کے ذاتی نکتہ نظر کے باعث انفرادیت کی حامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ رابعہ سرفراز، ڈاکٹر، عبد اللہ حسین کے ناول 'قید' کے نسائی کردار مشمولہ۔ عبداللہ حسین: ایک مطالعہ، مرتبہ: سید عامر سہیل، بیکن بکس، غزنی سٹریٹ، لاہور، جنوری ۲۰۱۶ء، ص:۲۵۱

۲۔ خالد سہیل، عمر میمن، عبداللہ حسین سے ایک ملاقات، مشمولہ۔ عبداللہ حسین: ایک مطالعہ، مرتبہ: سید عامر سہیل، بیکن بکس، غزنی سٹریٹ، لاہور، جنوری ۲۰۱۶ء، ص:۵۸

۳۔ عبداللہ حسین، قید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ ص:۵۷

۴۔ عبدالعزیز ملک، 'قید' ایک استعاراتی ناول، مشمولہ۔ عبداللہ حسین: ایک مطالعہ، مرتبہ: سید عامر سہیل بیکن بکس، غزنی سٹریٹ، لاہور، جنوری ۲۰۱۶ء، ص:۴۵۶

۵۔ عبداللہ حسین، قید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ ص:۵۰

References in Roman Script

1.Raia Sarfraz, Dr, Abdullah Hussain k Novel "Qaid" k Nisai Kirdar Mashmoola Abdullah Hussain: ek Mutalia, Martba: Syed Amir Sohail, Becon Books, Ghazni Street, Lahore, Jan 2016, Page 251.

2. Khalid Sohail, Umer Maimon, Abdullah Hussain sy ek Mulaqat, Mashmoola Abdullah Hussain, Ek Mutalia, Muratba:Syed Amir Sohail, Becon Books, Ghazni Street, Lahore, Jan 2016, Page 58.

3. Abdullah Hussain, Qaid, Sang Meel Publications, Lahore, 2015, Page 57.

4. Abdul Aziz Malik, "Qaid" Ek Istrati Novel, Mashmoola, Abdullah Hussain: Ek Mutalia, Muratba: Syed Amir Sohail Becon Books, Ghazni Street, Lahore, January 2016, Page456.

5. Abdullah Hussain, Qaid, Sang Meel Publications Lahore, 2015, Page 50